

جناب حافظ سید عزیز الرحمن *

اسلامی کیلنڈر کی ضرورت و اہمیت محرم الحرام سے تقویم اسلامی کا آغاز کیوں؟

ہجری تقویم اسلام کی چند اہم خصوصیات میں سے ایک ہے اس کا شمار شعائر اسلام میں بھی ہوتا ہے یہ تقویم ہدی نبوی ﷺ کے اہم واقعے کی جانب منسوب ہے جسے مورخین اور اہل سیر ہجرت مدینہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
ہجرت مدینہ:

ہجرت مدینہ غزوات اور فدائیت کی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے سرفروشی اور جلاب غاری کی نہ جانے کسی قدر قیمتی داستانیں اس واقعے سے مربوط ہیں قسام ازل نے ہجرت مدینہ کو ان گنت شرف عطا فرمائے ہیں یہ شرف بھی ازل سے اسی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آئندہ لیل و نہار کی گردشوں کا شمار بھی اسی سے ہوگا۔
آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مکے سے مسلمانوں کی انتقال آبادی اگرچہ ظاہری طور پر قریش مکہ کی ایذا رسانیوں کے سبب سے تھی مگر درحقیقت خالق کائنات نے اپنے پسندیدہ دین دین اسلام کی عظمت و شوکت اور سیادت کا سکھ بٹھانے اور اسکی ضیاء پاش کرنوں سے سارے عالم کو منور کرنے کے لئے جو وقت متعین کیا تھا اس کا آغاز اسی ہجرت مدینہ سے ہوا۔

ہجرت مدینہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک مکمل سیاسی نظام بھی رکھتا ہے جو اسلامی ریاست و سلطنت کی بنیاد ہے نیز اس کی تعلیمات دیگر مذاہب اور دنیا میں مروج نظاموں کی طرح محض تخیلاتی یا کاغذی و کتابی نہیں بلکہ ہر طرح سے قابل قبول و قابل عمل اور لائق نفاذ ہے۔

جبکہ ہجرت سے قبل مسلمان مکے میں کمزور حالت میں تھے انہیں نہ مذہبی آزادی حاصل تھی نہ ان کے پاس سیاسی اقتدار موجود تھا اور نہ ہی معاشی اعتبار سے ان کو بے فکری، اطمینان اور سکون حاصل تھا ہر طرح کا اختیار اور مکمل اقتدار دشمنوں اور مخالفین کے پاس تھا تمدن اور معاشرت کے لوازم سے بھی مکہ کے مسلمان محروم تھے اس لئے یہاں رہ کر وہ اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظام کی تشکیل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ منورہ میں خالق کائنات نے ایسے اسباب بہم کر دیئے تھے جو اس کام کے لئے ضروری اور مناسب تھے مدینہ منورہ میں جو لوگ

ابتداء میں مسلمان ہوئے وہ ان قبائل سے تعلق رکھتے تھے جن کے پاس اس ریاست کی زمام کار پہلے ہی سے موجود تھی اور ان پر کسی دوسرے کا کوئی تسلط نہ تھا، اس لئے ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو مکمل انداز میں یہ موقع ملا کہ وہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل دیں جس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر استوار ہو اور جو زندگی کے تمام مراحل میں دور جاہلیت سے یکسر مختلف اور ہر لحاظ سے منفرد و ممتاز ہو اور اس عالم گیر دعوت کا نمائندہ ہو جس کی خاطر مسلمان گزشتہ ۱۳ سال سے مخالفین اسلام اور دشمنان دین کی مختلف الجھت اور مختلف النوع سازشیں، مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے چلے آ رہے تھے یہ تھا تقویم اسلامی کے ہجرت مدینہ سے آغاز کا تاریخی پس منظر، اگر دیکھا جائے تو اسلامی تقویم کے آغاز کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور مناسب واقعہ یا موقع ہو ہی نہیں سکتا۔

تقویم اسلامی کی اہمیت:

تقویم اسلامی کے معاملے کا فیصلہ حضرت عمرؓ نے کافی غور و خوض اور دیگر صحابہ کرامؓ سے طویل مشورے کے بعد کیا تھا، متمم بالشان معاملات میں حضرت عمرؓ کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے۔ تقویم دراصل کسی قوم کی شناخت اور تعارف کا ناٹل ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”قومی زندگی کے مقدمات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی، قوم کا سن اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے، یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی، کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے“ (۱)

عربوں میں تقویم کا رواج:

عربوں میں چوں کہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا اس لئے تقویم اور ماہ و سال کے حساب کا بھی کوئی خاص طریقہ مقرر نہ تھا، نہ ان کا کوئی خاص سن تھا، اس لئے اگر کوئی بات بیان کرنی ہوتی تو کسی اہم واقعے سے ماہ و سال کا حساب کر لیا کرتے تھے، چنانچہ ابن الجوزی عامر الغصی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب روئے زمین پر آدمؑ کی اولاد کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ اطراف و اکناف میں پھیل گئے تو انہوں نے بھڑو آدمؑ سے تاریخ شمار کی یہ سلسلہ طوفان نوح تک جاری رہا، وہاں سے نار ظلیل تک تاریخ کا حساب کرتے رہے، پھر یوسفؑ کے واقعے سے تاریخ کا حساب کیا گیا، وہاں سے حساب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے واقعے سے تاریخ شمار ہوئی، پھر حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کو بنیاد بنایا گیا۔ (۲)

واقدی کا قول یہ ہے کہ تاریخ کا حساب حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ہوا، پھر نار ظلیل تک وہاں سے بنو

اسامیل نے تعمیر کعبہ سے تاریخ شمار کی وہاں سے محد بن عدنان کے زمانے تک پھر وہاں سے کعب بن لوی کے عہد تک اور وہاں سے عام الفیل تک تاریخ شمار کی گئی (۳)

نیز حمیر والے اپنے بادشاہ تیج کے عہد سے تاریخ کا حساب کرتے تھے غسان والے سد مآرب کے پھٹنے سے اور صنعا والے یمن پر حبشیوں کی فتح اور بعد ازاں ایرانیوں کے غلبے سے بعد میں عرب اپنی لڑائیوں سے حساب تاریخ رکھا کرتے تھے مثلاً بسوس داحس اور غمر کی لڑائی سے اور ذی قار اور حرب فجار جیسے معرکوں سے (۴)

اسلام آ جانے کے بعد بھی مسلمانوں کا یہی طرز عمل قائم رہا اور اب سورتوں کے نزول کی نسبت سے واقعات یاد رکھے جانے لگے ہجرت کے بعد جن منکرین سے قتال کی اجازت ملی اور سورہ حج نازل ہوئی تو کچھ عرصے تک یہ واقعہ بطور سن استعمال ہوا پھر جب سورہ براۃ کا نزول ہوا تو سنہ براۃ چل پڑا آخر میں سنہ الوداع مشہور ہوا جو حجۃ الوداع کے بعد رائج ہوا (۵)

یہ بھی کہا گیا کہ سن ہجرت کے آغاز سے قبل لوگ ہر سال کو اس واقعے کا نام دیتے تھے جو اس میں وقوع پذیر ہوتا تھا اور اسی سے تاریخ بنتا تھے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں قیام کا پہلا سال مکہ سے ہجرت کی اجازت کا سال کہلاتا تھا دوسرا سال جنگ کے اذن کا اور تیسرا انھیں (آزمائش) کا۔ (۶)

یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخیں گڈ نہ ہیں اور انبیائے کرام اور دیگر تاریخی واقعات کے بارے میں بڑا اختلاف تاریخ پایا جاتا ہے۔

اسلامی تقویم کی ضرورت:

اسلامی تقویم کی ضرورت کب کیسے اور کیوں پیش آئی؟ اس کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت: حاکم نے ”المکمل“ میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

لما قدم النبی ﷺ المدینۃ امر بالتاریخ فکتب فی ربيع الاول (۷) جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا سورہ ربيع الاول سے اس کا آغاز ہوا۔

یہی روایت ابو جعفر بن نحاس نے اپنی کتاب منلیۃ الکتاب میں بھی ذکر کی ہے (۸) اور قلیسندی نے بھی ابن شہاب زہری سے یہ روایت نقل کی ہے (۹) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو معطل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مشہور قول اس کے خلاف ہے (۱۰) لیکن اس کے برعکس یہی روایت یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

التاریخ من یوم قدم النبی ﷺ المدینۃ مهاجراً (۱۱) اسلامی تاریخ کا آغاز اس روز سے ہوا جب حضور ﷺ ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

ابن عساکر نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے اور زیادہ صحیح بات بھی یہی ہے کہ تقویم اسلامی کا آغاز حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم اور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے ہوا۔^(۱۲) البتہ آغاز کے لئے ہجرت مدینہ کے اہم واقعے کو بنیاد بنایا گیا جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی۔

دوسری روایت:

دوسری روایت ابو طاہر بن محسّس الزیادی نے ”تاریخ الشروط“ میں ذکر کی ہے اور اسے علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی نقل کیا ہے روایت یہ ہے:

ان رسول اللہ ﷺ ارخ بالهجرة حين كتب الكتاب لنصارى نجران وامر عليان بكتب فيه حين كتب عنه رسول الله ﷺ نے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کا ہجرت مدینہ سے آغاز کیا، جب آپ نے نجران کے نصاریٰ کو خط ارسال کیا اور حضرت علیؓ کو اس خط پر تاریخ ڈالنے کا حکم دیا۔

تیسری روایت:

امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

اول من ارخ التاريخ يعلى بن اميه حيث كان باليمن^(۱۳)

”سب سے پہلے ہجری تاریخ کا آغاز یعلیٰ بن امیہ نے کیا، جب وہ یمن میں تھے۔“

چوتھی روایت:

اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب وہ یمن کے گورنر تھے اپنے ایک خط میں حضرت عمرؓ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی خط کی عبارت یہ تھی:

انه ثابنا منك كتب ليس لها تاريخ^(۱۵)

ہمارے پاس آپ کے جو خطوط آتے ہیں ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی۔

پانچویں روایت: رفع لعمر صك محله شعبان فقال اى شعبان 'الماضى' اولذى نحن فيه؟ او الاتى؟
ضعوا الناس يعرفونه من التاريخ^(۱۶)

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چپک لایا گیا، اس پر شعبان تحریر تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کون سا شعبان؟ جو گزر گیا ہے، جو جاری ہے یا جو آنے والا ہے؟ لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی نظام طے کر دو تاکہ وہ تاریخ کا صحیح علم رکھیں۔

یہ روایت احمد بن حنبل اور ابو عمرو بن الاوائل میں بخاری نے الادب المفرد میں اور حاکم نے بھی میمون بن مہران سے نقل کی ہے^(۱۷)

چھٹی روایت: اس سلسلے کی ایک روایت ابن ابی شیبہ کی ابن سیرینؒ سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن

سے آیا اس نے بتایا کہ میں نے ایک چیز دیکھی ہے جسے تاریخ کہا جاتا ہے اس میں یوں لکھتے ہیں ”من عام کذا و بشہر کذا“ یعنی فلاں سال اور فلاں مہینہ حضرت عمرؓ نے اسے پسند فرمایا اور اسلامی تقویم، تقویم ہجری کا آغاز فرمادیا۔^(۱۸)

اس روایت کو ابو داؤد طیالسی نے بھی نقل کیا ہے۔^(۱۹) اور سخاوی کے ہاں بھی یہ روایت موجود ہے۔

روایات پر ایک نظر:

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان روایتوں پر جن میں کسی قدر اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے سند و متن اور داریت کے اعتبار سے ایک نظر ڈالتے چلیں تاکہ درست نتائج تک پہنچنا ہمارے لئے آسان ہو سکے۔

۱۔ پہلی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آغاز تاریخ کا حکم دیا اور ربیع الاول سے آغاز ہوا لیکن اس روایت کو معطل قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہی روایت اس کے برعکس یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ اسلامی تاریخ کا آغاز قحہ ہجرت سے ہوا ان الفاظ سے بھی اس روایت کا مفہوم وضاح اور متعین اور تعارض ختم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ ابن حجرؒ اور سخاویؒ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشہور اور محفوظ روایت یہ ہے کہ تاریخ کا آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہوا۔^(۲۱)

۲۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اہل نجران کو آنحضرت ﷺ نے جو خط تحریر کیا تھا اس میں حضرت علیؓ کو تاریخ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا مگر یہ بات بھی غور طلب ہے کیونکہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے خطوط جن کتب میں تحریر ہیں ان میں کہیں بھی تاریخ کا ذکر نہیں ہے تمام بغیر تاریخ کے ہیں^(۲۲) نیز آپ ﷺ کے چھ خطوط مبارکہ دستیاب ہو گئے ہیں جن کا عکس متحدہ کتب میں شائع ہو چکے ہیں^(۲۳) یہ تمام خطوط ۵ ہجری کے بعد کے تحریر کردہ ہیں۔ ان میں بھی کسی میں تاریخ موجود نہیں ہے اس بارے میں تفصیلی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

۳۔ تیسری روایت امام احمد کی ہے اس میں یعلیٰ بن امیہ کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یمن میں تاریخ اسلامی کا آغاز کیا تھا اگرچہ یہ روایت سند صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہے مگر اس میں عمرو بن دینار اور یعلیٰ بن امیہ کے مابعد انقطاع ہے۔

۴۔ چوتھی پانچویں اور چھٹی روایات معنا قریب تر ہیں۔ ان میں زیادہ فرق نہیں ہے یہ عین ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب اس موقع پر جمع ہو گئے ہیں واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ نے کب تاریخ کا آغاز کیا:

اسلامی تاریخ کے آغاز کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے مشورے کے بارے میں تین اقوال مذکور ہیں۔

۱۶ ہجری، ۱۷ ہجری، ۱۸ ہجری^(۲۴) جبکہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”الفاروق“ میں ۲۱ ہجری کا قول نقل کیا ہے^(۲۵)

ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابن سیرینؒ سے ۲۱ ہجری کا قول نقل کیا گیا ہے^(۲۶) اور محمد بن اسحاقؒ نے زہریؒ اور ضعی سے بھی

۱۷ ہجری کا ہی قول نقل کیا ہے^(۲۷)۔ ابن عساکر نے حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ بار خلافت سنبھالنے کے ڈھائی برس کے بعد محرم کو حضرت عمرؓ نے اس کا فیصلہ کیا^(۲۸) اس اعتبار سے بھی ۱۶ ہجری ہی بنتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا آغاز ۱۳ ہجری جمادی الاخر میں ہوا تھا^(۲۹) یعقوبی نے بھی ۱۶ ہجری کا قول اختیار کیا ہے وہ ۱۶ ہجری کے واقعات میں لکھتا ہے:-

”اسی زمانے (۱۶ ہجری) میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے پہلے انہیں خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے شروع کریں پھر خیال کیا کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے ابتداء کی جائے لیکن حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے آغاز کیا جائے سو حضرت عمرؓ نے ان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے ہجرت نبویؐ سے اسلامی تقویم کے آغاز کا فیصلہ فرمادیا“^(۳۰)

نیز ابن سعد کا بیان ہے:

”حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ربیع الاول ۱۶ ہجری سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا چنانچہ تاریخ لکھنے کے سلسلے کا آغاز انہوں نے نبی کریم ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے واقعے سے کیا“^(۳۱)

ان تمام روایات کے تتبع سے بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۶ ہجری میں اسلامی ہجری تقویم کا آغاز ہوا واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے حسب عادت صحابہ کرام کو جمع کر کے اس میں ان کا مشورہ چاہا مختلف باتیں سامنے آئیں جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے مشورے میں ہرمزان کو بھی طلب کیا گیا وہ ایرانی شہنشاہ کی جانب سے خوزستان کے گورنر تھے اور مسلمان ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم تھے حضرت عمرؓ ان سے بھی اہم معاملات میں مشورے کرتے تھے ہرمزان نے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک حساب موجود ہے جسے ماہ روز کہتے ہیں۔ اسی کو عربی میں مورخہ بنالیا گیا اور تاریخ کو اس کا مصدر قرار دیا گیا لیکن بعض دوسرے حضرات کے خیال میں جن میں اہل لغت کی ایک بڑی جماعت شامل ہے یہ لفظ عربی الاصل ہے اور ”الارخ“ سے مشتق ہے جو نخل گائے کے زبچے کو کہا جاتا ہے اس کی جمع آراخ اور اراخ آتی ہے ابو منصور جو اہل لغت کے بقول الارخ وقت کو کہتے ہیں اور التارخ توقیت کو^(۳۲)

بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہجرت مدینہ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا جائے اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ کس کی رائے سے ہجرت کے آغاز تقویم کا فیصلہ ہوا؟ امام محمد بن یوسف الصالحی الشافعی لکھتے ہیں کہ جن امکاناتی صورتوں پر اتفاق ہوا اور جن سے آغاز تقویم ہو سکتی تھی وہ چار تھیں۔

ان میں سے ولادت اور بعثت کے وقت کے بارے میں اس قدر اختلاف تھا کہ ان کا سال متعین نہیں ہو سکتا تھا اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا، وفات سے اس لئے آغاز تقویم نہیں کیا گیا کہ وہ واقعہ رنج و الم اور افسوس و صدمے کا باعث تھا اب صرف ہجرت مدینہ باقی رہ گئی چنانچہ اسی سے آغاز کر دیا گیا۔^(۳۳)

اور حاکم نے سعید بن المسیب سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا:-

”من یوم ہاجر النبی ﷺ و ترک ارض الشوک“ اس روز سے آغاز کریں جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور سرزمین شرک (مکہ مکرمہ) کو چھوڑا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز قبول کر لی^(۳۴) ابن عساکر نے بھی سعید بن المسیب سے اسی طرح نقل کیا ہے۔^(۳۵) اور مقریزی نے بھی حضرت سعید بن المسیب سے یہی ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے:-

”حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ کس روز سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے پس حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس روز سے جس روز رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور مکہ کو چھوڑا تھا سو حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا“^(۳۶)

یعقوبی کے بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ تجویز حضرت علیؓ کی پیش فرمودہ تھی جب کہ ابو نعیم نے شععی کے طریق سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہ روایت کی ہے کہ یہ تجویز خود حضرت عمرؓ کی تھی اور ان کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ ہجرت مدینہ حق و باطل کے مابین فرق کرنے کا سبب بنی ہے اس لئے اسی کو تقویم اسلامی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے^(۳۷) ایک خیال کے مطابق یہ تجویز ہرمزان کی طرف سے پیش کی گئی تھی^(۳۸) لیکن عام طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا نام ہی آتا ہے ان میں بھی زیادہ تر روایات حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ہیں اس لئے اس تجویز کی نسبت ان ہی کی جانب درست معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کی جانب اس تجویز کو اس لئے منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تجویز کی تائید کی تھی اور اس پر عمل درآمد بھی ان ہی کے حکم سے ہوا واللہ اعلم

محرم سے سال کا آغاز:

پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کے رواج کے مطابق ان کے سال کا آغاز محرم سے ہوا کرتا تھا اس لئے علامہ شبلی کی رائے کے مطابق تقریباً سوادو مہینے پیچھے ہٹتے ہوئے محرم الحرام سے سن ہجری کا آغاز کر لیا گیا^(۳۹) دوسری رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ ہجرت کے ارادے اور اس سفر کی منصوبہ بندی کی ابتداء محرم ہی سے ہوئی تھی، کیونکہ بیعت عقبہ ذی الحجہ کے وسط میں ہوئی تھی^(۴۰) اور یہی بیعت ہجرت مدینہ کی تہمید اور نقطہ آغاز تھا اور اسکے بعد پہلے مہینہ محرم ہی تھا^(۴۱) اور ابو نعیم کی روایت میں مذکور ہے کہ ”پھر یہ تجویز پیش

ہوئی کہ رمضان سے آغاز ہو یا محرم سے ”محرم کو اس لئے قبول کر لیا گیا کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کی واپسی اسی مہینے میں ہوتی تھی“ (۳۲) جبکہ ابن سیرین سے ابن ابی خثیمہ نے نقل کیا ہے کہ بعض نے رجب سے آغاز کی تجویز پیش کی تھی اور بعض نے رمضان سے اور بعض نے محرم سے حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

ارخصوا من المحرم، فانه شهر حرام، وهو اول السنة، و منصرف الناس من الحج. ”محرم سے تاریخ کا آغاز کرو کیونکہ یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اور (عرب کے رواج کے مطابق بھی) یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی بھی اسی مہینے میں ہوتی ہے۔“ (۳۳)

علامہ منصور پوری نے بھی اس تجویز کو حضرت عثمانؓ کی جانب منسوب کیا ہے (۳۴)

عبد بن عسیر فرماتے ہیں: ان المحرم شهر الله وهو رأس السنة يكسى البيت، ويورخ به الناس (۳۵)

”بلاشبہ محرم اللہ کا مہینہ ہے اسی سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور بیت اللہ کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور اسی سے لوگ تاریخ کا حساب رکھتے ہیں۔“

جبکہ سعید بن منصور نے ”سنن“ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سورۃ الفجر کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: هو فجر المحرم، فجر السنة (۳۶) ”والفجر میں فجر سے مراد محرم کی ”فجر“ ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔“ بعینہ یہی قول حضرت قتادہ سے بھی منقول ہے (۳۷)

جبکہ سیبلی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام نے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا نقطہ آغاز قرار دینے کے لئے اس قرآن حکم کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جو اہل قبا کی شان میں وارد ہوا ہے ”فرمان باری تعالیٰ ہے۔

لمسجد اسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه (توبہ ۱۰۸)

”البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پہ رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپؐ اس میں (نماز کی غرض سے) کھڑے ہوں۔“

کیونکہ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ”اول یوم“ سے مطلق یوم مراد ہے نہیں اس سے یہ متعین ہو گیا کہ یہ کسی مضر شئی کی طرف مضاف ہے اور وہ اول روز وہی ہو سکتا ہے جب اسلام کو عزت ملی اور نبی کریم ﷺ نے امن و اطمینان کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت کی اور اس کی ابتداء بنائے مسجد سے ہی ہوئی تھی اس امر سے صحابہ کرام کی رائے سے یہ سمجھا کہ اول یوم سے یہاں اسلامی تاریخ کا روز اول مراد ہے (۳۸) لیکن ابن حجر کے بقول اس سے مجازاً بھی معنی ہیں کہ ”اول یوم“ سے مراد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے داخلے کا روز اول ہے (۳۹) اور زر قانی نے ابن مزیر کے حوالے سے سیبلی کی توضیح کو تکلف و تحسف قرار دیا ہے (۴۰)

نچہ گفتگو یہ ہے کہ چوں کہ عام طبع و عوام کے ذہن میں سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے اس لئے

اسلامی تقویم کے لئے بھی اسی کو اختیار کر لیا گیا اور یہ مشورہ حضرت عثمانؓ یا حضرت عمرؓ نے دیا، اگرچہ اس کی توجیہات اور بھی ہیں، جیسا کہ بیان ہوا۔

تقویم اسلامی کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہ:

تقویم اور کیلنڈر کی عام انسانی ضرورت کے پیش نظر چاہیے تو یہ تھا کہ اسلامی تقویم کا آغاز اسی وقت ہو جاتا جب مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تو اور دوسری نوعیت کی مصروفیات ہی اس قدر ہیں کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی جاسکی اور پھر چونکہ اس وقت اسلامی سلطنت کا بالکل آغاز تھا، اس لئے غالباً ایسی فوری کوئی ضرورت بھی سامنے نہیں آئی جو مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور و فکر پر آمادہ کرتی، آپ ﷺ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عہد مبارک آیا، یہ دور مدت میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ لا تعداد اندرونی سازشوں اور بیرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا، جن سے عہد ابراہونا صدیق اکبرؓ کا کام تھا، وہ ان کی جانب متوجہ رہے اور یہ اہم کام فوری ضرورت نہ ہونے کے سبب ان کی ترجیحات میں نہ آ سکا۔

پھر جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا دور مبارک آیا تو اس وقت ایک تو سابقہ تمام رکاوٹیں بھی دور ہو چکی تھیں، دوسرے پھیلتی ہوئی سلطنت کے ساتھ حکومتی اور انتظامی امور بھی وسعت اختیار کر چکے تھے اور ہر شعبے میں اصلاحات، ترقیاتی کام اور تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر تھیں، اس بنا پر ایک تقویم کی ضرورت محسوس کی گئی..... اس طرح تقویم اسلامی کا آغاز ہوا اور یہ افضلیت و شرف بھی ان ہی کے حصے میں آیا^(۵۱)۔ جیسا کہ ایک روایت بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے فرمایا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے۔ اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، آخر اس کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنے کی کیا تدبیر کی جائے^(۵۲)۔ اس کے بعد مشورے سے یہ طے پایا۔

تقویم اسلامی کی خصوصیات:

آخر میں اسلامی ہجری قمری تقویم کا دیگر تقویموں سے تقابل کرتے ہوئے اس کے امتیازات اور خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں، یہ خصوصیات ذیل ہیں:

(الف) اسلامی تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آغاز سے اب تک یہ اپنی مجوزہ صورت پر قائم ہے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، چونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے اس لئے اس میں ترمیم کا حق کسی فرد بشر کو حاصل نہیں، یہ خصوصیت غالباً دنیا کی کسی دوسری مروجہ تقویم اور سن میں نہیں پائی جاتی^(۵۳)۔

(ب) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ متداول ہونے اور استعمال کے لحاظ سے بھی تقویم ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدم ہے، اگرچہ وہ سنین اپنے اعداد کے اعتبار سے ہجری تقویم سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں، مثال کے طور پر

۱۔ یکم محرم ۱ ہجری مطابق ۱۶ جولائی ۵۳۳۵ء جو لین بننا ہے اس طرح جو لین پیریڈ کا سن بظاہر سن ہجری سے ۵۳۳۴ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ تقویم حقیقت میں سن ہجری سے ۹۸۹ برس بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوئی ہے۔

۲۔ یکم محرم ۱ ہجری ۳۔ آب ۳۳۸۲ء عبری تھا اس طرح بظاہر یہ سن ہجری سے ۳۳۸۱ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔

۳۔ سن کل جگ سن ہجری سے ۳۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر مغربی مورخین اور ہیئت داں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سن چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا یعنی اپنے حساب سے ۳۳۴ صدیاں گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا تھا۔

۴۔ سن سکندری سن ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قریب مینوں پر چلتا رہا ہے۔ بعد میں اسے ششی مینوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

۵۔ سمت بروشہ کے مطابق یکم محرم ۱ ہجری کو ۲۶۶۷ سالوں سمیت ۶۷۹۷ء تھا اس لئے بظاہر سمت بروشہ سن ہجری سے ۶۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور مغربی محققین کی تحقیقات کے مطابق اس کا آغاز ۸۹۸ بروشہ سے ہوا ہے اس طرح یہ سن ہجری کے ۲۲۵ سال بعد شروع ہوتا ہے (۵۴)۔

(ج)۔ اسلامی تقویم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تقویم کسی خاص شخصیت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا واقعے سے اس کا تعلق ہے جو پورے مذہب اسلام کے حوالے سے اپنی اہمیت رکھتا ہے یوں اس کی بنیاد روحانی بھی ہے یہ خصوصیت رائج الوقت دیگر تقاویم میں نہیں ہے بیرونی آثار الباقیہ میں لکھتا ہے۔

”قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش بادشاہوں کی تخت نشینی انبیاء کی بعثت ملکوں کی فتح و تسخیر سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتداء کیا کرتے ہیں“ (۵۵)۔

چنانچہ ایسے بہت سے سنین جو اس دور میں رائج تھے یا آج موجود ہیں وہ کسی نہ کسی شخص واقعے کی طرف منسوب ہیں مثلاً

۱۔ بابی سن منتخب لہر اول کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا گیا تھا۔ ۲۔ یہودی سن کا مصر سے خروج کے واقعے سے آغاز ہوتا ہے۔ ۳۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ۴۔ رومی سن پہلے پہلے سکندر اعظم کی پیدائش اور پھر آگسٹس کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ۵۔ ہندوستانی سن راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع کیا گیا۔ ۶۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سن رائج ہوئے ان سب کی ابتداء پیدائش تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کے واقعے سے ہوتی ہے۔ اور اس رسم کے بانی اور مؤسس بھی ایرانی ہی ہیں کہ ہر بادشاہ گزشتہ سن منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سن جاری کرے اور اسے سن جلوس کہا جائے۔ (۵۶)۔ ۷۔ جبکہ

۳۔ اس روایت کو قبول کرنے والوں نے سخاوی کے جس قول کو دلیل بنایا ہے وہ خود اس بارے میں اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دیتے بلکہ صرف روایت ذکر کر کے یہ کہتے ہیں: فان ثبت فیکون..... یعنی اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو حضرت عمرؓ کو حضور اکرم ﷺ کا قبیح قرار دیا جائے گا۔ لیکن دیگر روایات سے بات ثابت نہیں ہے۔

۴۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں طے ہو گیا تھا تو پھر حضرت عمرؓ نے کس بارے میں مشورہ کیا تھا؟ جس کے متعلق روایات بالکل واضح اور اس کثرت سے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی شاذ یا نئی روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں۔

۵۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

”نبی کریم ﷺ کے مدینے آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا چنانچہ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ دو مہینے شمار کرنے لگے۔ اور ان کا بھی حلقہ رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اور عمرؓ کی خلافت کے چار سال بھی یوں ہی گزرے۔ اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی“ (۶۵)۔

۶۔ امام احمدؒ بخاری ابن عساکرؒ ابن سیرینؒ حاکمؒ سعید بن المسیبؒ ابن حجر وغیرہ کی روایات اور ذاتی آراء سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ تقویم اسلامی کے موسس حضرت عمرؓ ہیں، ان ہی کے عہد مبارک میں صحابہ کرام کے مشورے سے یہ تقویم وضع کی گئی۔

ان نکات کی روشنی میں اس بارے میں نصاریٰ نجران والی روایت پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ بحث: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی اور عہد مبارک میں ضرورت نہ ہونے کے سبب اسلامی تقویم کا آغاز نہ ہو سکا، آپ ﷺ کے بعد عہد صدیق اکبرؓ کے مختصر ایام میں بھی گونا گوں مشکلات اور مہمات کے سبب اس جانب توجہ نہ دی جاسکی، البتہ عہد فاروق اعظمؓ میں جب ضرورتیں بڑھیں اور اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو حضرت عمرؓ فاروق کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی، انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے اور حضرت علیؓ کی رائے سے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دے کر اس سے اسلامی سال کا آغاز کیا، پھر چونکہ ہجرت مدینہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اسلئے حضرت عثمانؓ کے مشورے سے محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوا اور یکم محرم الحرام ۱ ہجری مطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء۔ ۱۶ جولائی ۵۳۳ء جولین ۳/ آب ۳۸۲ء ۲۶/ جبری ۲۶/ ساد ۶۷۹ء سمیت کو ہجری تقویم کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا (۶۷)۔ جبکہ ہجری تقویم کا باقاعدہ آغاز اور پہلی مرتبہ استعمال عہد فاروقی میں ۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۷ھ مطابق ۱۲ جولائی ۶۳۸ء بروز اتوار کو ہوا (۶۸) واللہ اعلم

بصوابہ و علمہ اکمل والتم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خاص سن نہیں تھا بلکہ وہ مخصوص واقعات کے اعتبار سے اپنے سالوں کا حساب رکھا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی ولادت سے قریب کے زمانے میں ابراہمہ کا حملہ عرب کا خاص واقعہ تھا اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کے ہاں عام الفیل رائج تھا۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے گزری ہے۔

(د) اس ہجری قمری تقویم میں ہفتے کا آغاز جمعہ المبارک سے ہوتا ہے (۵۷)۔

(ه) ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے اس کے مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔ (۵۸)۔

(و) سابقہ شریعتوں میں بھی دینی مقاصد کے لئے یہی قمری تقویم رائج تھی بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف اور ترمیم کرتے ہوئے اسے قمریہ شمسی یا صرف شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ لیکن ہجری اسلامی قمری تقویم الحمد للہ ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ (۵۹)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

نصاری نجران کی جو روایت بخاری کے حوالے سے پہلے بیان ہوا اس میں یہ بھی مذکور ہے: فلان ثبت فیکون عمر منبعا لامبتکرا (۶۰)۔ یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقویم کا آغاز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا تو حضرت عمرؓ تقویم ہجری کے سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے اس کے بانی و موجد نہیں اس سے بعض حضرات کو (۶۱) یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقویم ہجری کا آغاز نہیں کیا تھا بلکہ اس کا آغاز آپ ﷺ کے دور میں ہی ہو چکا تھا حالانکہ قرآن و شواہد کی رو سے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اکثر روایات کی موجودگی میں تھا اہل نجران کی روایت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ اس روایت میں ذکر یہ ہے کہ نصاریٰ نجران کو جب آنحضرت ﷺ نے خط لکھا تو اس میں آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا غور طلب بات یہ ہے کہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے کئی خطوط حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں (۶۲)۔ ان میں کسی میں بھی کوئی تاریخ مذکور نہیں ہے آنحضرت ﷺ سے تعلق رکھنے والی ہر بات اور ہر چیز کی صحابہ کرام اور بعد کے مسلمانوں نے جس طرح حفاظت کی ہے اس کے پیش نظر یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ انہوں نے اس تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۲۔ آپ ﷺ نے ۶ ہجری اور اس کے بعد مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے تھے ان میں سے چھ خطوط اب بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں اور ان کے عکس متحد کتب میں شائع ہو چکے ہیں (۶۳)۔ ان میں کہیں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے حالانکہ نصاریٰ نجران کو آپ ﷺ نے یہ خط ۵ ہجری میں ارسال فرمایا تھا (۶۴)۔ اس اعتبار سے

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد رسول رحمت رتریب مولانا غلام رسول مہر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ص ۲۰۳
- ۲۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی رالاعلان بالتوخیخ راردو ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف مرکز اوردو پورڈ لاہور
- ۳۔ جون ۱۹۶۸ء ص ۱۷۵
- ۴۔ ایضاً
- ۵۔ شاہ مصباح الدین کلیل ریرت احمد مجتبیٰ پاکستان انسٹیٹ آف کراچی ۱۹۹۶ء ج ۲ ص ۵۶
- ۶۔ الاعلان ص ۱۷۳
- ۷۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری ص ۳۱۰ ہ تاریخ الرسل، السلوک ریرت ج ۲ ص ۳۸۸ ابن حجر العسقلانی ص ۸۵۲م فتح الباری ر قدیمی کتب خانہ کراچی ج ۷ ص ۳۳۱ محمد بن عبدالباقی الزرقانی رشرح المواہب اللدنیہ ردار المعرفۃ ریرت
- ۸۔ ۱۹۹۳ء ج ۱ ص ۳۵۲ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رسل الہدی والرشاد ردار الکتب العلمیہ ریرت ۱۹۹۳ء ج ۱۲ ص ۳۶
- ۹۔ شیخ عبدالحی الکتانی رنظام الحکومتہ النبویہ السکی التراتب الاداریہ ردار الکتب العربیہ ریرت ص ۱۸۰
- ۱۰۔ قلعندی رمنج الاعشی ریرت ج ۶ ص ۲۴۰
- ۱۱۔ ابن حجر فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۱
- ۱۲۔ ابن حجر فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۸
- ۱۳۔ سبل الہدی والرشاد ج ۱۲ ص ۳۶
- ۱۴۔ التراتب الاداریہ ص ۱۸۱ اس بارے میں موصوف نے اپنی کتاب الشمارخ فی علم التاریخ میں مفصل بحث کی ہے دیکھئے التراتب محولہ بالسبل الہدی والرشاد ج ۱۲ ص ۳۶
- ۱۵۔ ابن حجر فتح الباری ص ۳۴۲ ابوالفداء اسماعیل بن کیرم ص ۷۷۷ رالبدایہ والنہایہ ردار الکتب العلمیہ ریرت ۱۹۹۰ء ج ۳ ص ۲۱۷ یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود قائم کومند احمد میں نہیں مل سکی مگر حاکم نے مستدرک میں اس کے الفاظ نقل کئے ہیں ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم ردار الکتب العلمیہ ریرت ۱۹۹۰ء ج ۳ ص ۲۷۹ رقم ۵۷۹۰/۵۷۹۱
- ۱۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ الوائلی السیاسیہ ردار لفاس ریرت ۱۹۸۵ء ص ۵۲۱ رقم الوھیقہ ۳۶۸
- ۱۷۔ ابن حجر ص ۳۴۲ سبل الہدی والرشاد ص ۳۸ الاعلان/۱۷۱
- ۱۸۔ الاعلان ایضاً ابوالہیظان نے بھی حضرت عمرؓ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ دیکھئے الاعلان محولہ بالا سبل الہدی والرشاد محولہ بالا
- ۱۹۔ ابن حجر ص ۳۴۲ سبل الہدی والرشاد محولہ بالا
- ۲۰۔ ابن حجر ص ۳۴۲ سبل الہدی والرشاد محولہ بالا
- ۲۱۔ ابن حجر فتح الباری ص ۳۴۱ وطبری ج ۲ ص ۳۸۸ وخواوی رالاعلان ص ۱۶۸
- ۲۲۔ ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے رڈاکٹر حمید اللہ الوائلی السیاسیہ ص ۱۸۰ تا ۱۶۵
- ۲۳۔ ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے رسید فضل الرحمن رخطوط بادی اعظم علیہ السلام رزدار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی
- ۲۴۔ ابن کثیر رالبدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۱۶
- ۲۵۔ شبلی نعمانی رالفاروق ص ۲۶۰
- ۲۶۔ زرقانی ج ۱ ص ۳۵۲
- ۲۷۔ ابن کثیر ص ۲۱۶
- ۲۸۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۱۶
- ۲۹۔ ابن کثیر رالبدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸
- ۳۰۔ احمد بن ابی یعقوب رتاریخ یعقوبی ردار صادر ریرت ج ۲ ص ۱۳۵
- ۳۱۔ محمد بن سعد رطبقات الکبری ردار الکتب العلمیہ ریرت ۱۹۹۷ء ج ۳ ص ۲۱۳
- ۳۲۔ شامی ص ۴۱
- ۳۳۔ ابن حجر فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۲ الاعلان ص ۱۶۹
- ۳۴۔ ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم ردار الکتب العلمیہ ریرت ۱۹۹۰ء ج ۳ ص ۲۷۹ رقم ۵۷۹۰/۵۷۹۱

ذہبی نے اس روایت کی موافقت کی ہے اور اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

۳۵۔ شبلی نعمانی رالفاروق ص ۳۶۰

۳۶۔ مقریزی رامتاج الاسماع راج ۲ ص ۵۶ طبع ثانی مصر

۳۷۔ زرقانی راج اص ۳۵۲ وابن حجر فتح الباری راج ۷ ص ۳۳۲

۳۸۔ یہ خیال اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب کے مقالہ نگار نے ظاہر کیا ہے مگر اس کی تائید کسی دوسری کتاب

اور مورخ کے قول سے نہیں ہوتی۔ دیکھئے ج ۶ ص ۳۹

۳۹۔ شبلی نعمانی رالفاروق ص ۳۶۰

۴۰۔ ابن ہشام السیرۃ النبویہ رددار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء راج ۲ ص ۱۸۷

۴۱۔ شامی ص ۳۸ زرقانی ص ۳۵۲ شامی ص ۴۲

۴۳۔ ابن حجر فتح الباری راج ۷ ص ۳۷۲ والا اعلان ص ۱۷۲

۴۴۔ قاضی محمد سلیمان سلیمان منصور پوری رحمۃ اللعالمین شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء والا اعلان ص ۱۷۲

۴۵۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ راج ۳ ص ۲۱۷

۴۶۔ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود الوسی بغدادی روح المعانی رددار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۵ء راج ۳ ص ۱۱۹

۴۷۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی م ۱۳۲۵ھ تفسیر مظہری رددارہ اشاعت العلوم ندوۃ المصطفین دہلی راج ۱ ص ۲۵۳

۴۸۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ السنہی رالروض الانف رددار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء راج ۲ ص ۲۳۶

۴۹۔ ابن حجر فتح الباری راج ۷ ص ۳۳۱ ۵۰۔ زرقانی راج ۱ ص ۳۵۲

۵۱۔ سید فضل الرحمن رہادی اعظمیؒ زور اکینڈ می جلی کیشنز کراچی ۲۰۰۰ء راج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۳

۵۲۔ الا اعلان ص ۱۷۳ ۵۳۔ پروفیسر ظفر احمد السیرۃ النبویہ توقفتی تضادات کا جائزہ مشمولہ ششماہی السیرہ

عالمی ریدر سید فضل الرحمن زور اکینڈ می جلی کیشنز کراچی ر شمارہ جون ۱۹۹۹ء ص ۱۶۹

۵۴۔ سلیمان منصور پوری رحمۃ اللعالمین راج ۲ ص ۳۵۱ ۵۵۔ ابوالکلام آزاد رسول رحمت ص ۲۰۷

۵۶۔ رحمۃ اللعالمین ص ۳۵۱ ۵۷۔ پروفیسر ظفر احمد السیرہ شمارہ ارج ۱۶۹ ۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ایضاً ص ۱۷۵ ۶۰۔ الکتابی رالتراجب الاداریہ ص ۱۸۱

۶۱۔ Journal of Islamic Studies, Karachi, University. /Editor in Chief Prof. Dr. Abdul-Rashid by

Prof. Dr. M. Tahir Mallick/ The Hijra Calendar A symbol of Islamic Culture. P.12

۶۲۔ دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ الروانق السیاسیہ ص ۱۶۵ تا ۱۸۰ ۶۳۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۲۳

۶۴۔ الکتابی ص ۱۸۱ ۶۵۔ الا اعلان ص ۱۷۳

۶۶۔ ابن حجر فتح الباری ص ۳۳۱-۳۳۲ و شامی ص ۷۳۷-۷۳۸

۶۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ راج ۲۳ ص ۱۲۳

۶۸۔ رحمۃ اللعالمین راج ۲ ص ۳۵۱ و اردو دائرہ معارف اسلامیہ محولہ بالا۔